

دورِ حاضر میں خواتین کی ملازمت کا مسئلہ

سید جلال الدین عمری

اسلامک فقہ اکیڈمی کا اٹھارواں سمینار ۲۸ فروری تا ۲ مارچ ۲۰۰۹ء تمل ناڈو کے مشہور شہر مدورائی میں منعقد ہوا۔ اس کے موضوعات میں ایک موضوع موجودہ دور میں مسلم خواتین کی ملازمت سے متعلق تھا۔ اس مناسبت سے راقم نے ذیل کا مقالہ تحریر کیا۔ اس کے ضروری حصے سمینار میں پیش کیے اور بعض پہلوؤں کی زبانی وضاحت کی۔ یہی مقالہ نظر ثانی کے بعد یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ سوالات فقہ اکیڈمی کے قائم کردہ ہیں۔ (جلال الدین)

خاندانی نظام میں عام طور پر مرد کی حیثیت سربراہ کی ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے، بیوی بچوں اور بعض اوقات قریبی عزیزوں کی معاش اور دوسری ضروریات کا نظم کرتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ دوسری طرف عورت امور خانہ داری انجام دیتی ہے، جس میں گھر کے نظام کو ٹھیک رکھنا، بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش اور شوہر کے مال کی حفاظت جیسے امور شامل ہیں۔ خاندان کا یہی نظام عرب میں بھی رائج تھا۔ اس نظام میں بعض بڑی بے اعتدالیاں تھیں، ایک دوسرے کے حقوق متعین نہیں تھے، ذمہ داریاں واضح نہیں تھیں۔ بعض اوقات عدل و انصاف کے صریح تقاضے پورے نہیں ہوتے تھے۔ عورت اپنی طبعی کم زوری کی وجہ سے سب کچھ برداشت کرتی تھی۔ اسلام نے خاندان کا نظام باقی رکھا، اسے مستحکم بنیادیں فراہم کیں، ظلم و ناانصافی سے پاک کیا، مرد اور عورت کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا، مرد کی مطلق بالا دستی ختم کی، عورت کی کمزوری کی رعایت کی اور اسے قانونی تحفظ فراہم کیا۔ خاندان کی بقا اور استحکام کے لیے اس نے مرد سے کہا کہ

وہ عورت کی معاش کا ذمہ دار ہے۔ یعنی از روئے قانون عورت کا یہ حق قرار دیا کہ مرد اس کا نان نفقہ برداشت کرے۔ اس انتظام کی بظاہر ایک حکمت یہ ہے کہ عورت گھر کے داخلی نظم کو چلانے کے لیے خود کو فارغ کر سکے۔

موجودہ دور میں جو سماجی تبدیلیاں آئی ہیں اور ضروریاتِ زندگی کا دائرہ جس طرح وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اس میں یہ ضروری سمجھا جانے لگا ہے کہ مرد کے ساتھ عورت بھی معاشی جدوجہد میں شریک ہو۔ آج کی عورت خود بھی معاشی طور پر خود کفیل ہونا چاہتی ہے اور خاوند یا کسی دوسرے فرد پر انحصار کرنا نہیں چاہتی۔ اسے اس کے مواقع بھی حاصل ہیں۔

آج بہت سی مسلمان خواتین، خصوصاً تعلیم یافتہ خواتین بھی اسی طرح سوچتی ہیں اور عملاً معیشت کے میدان میں حصہ لے رہی ہیں۔ ان کے سلسلے میں بعض جو سوالات ابھرتے ہیں، یہاں ان کا جواب دینے کی طالبِ علما نہ کوشش کی جا رہی ہے۔

۱- سوال: شریعت اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟

جواب: اسلام نے عورت کو معاش کی فکر سے بڑی حد تک بے نیاز رکھا ہے۔ اس کے لیے وہ عام حالات میں مجبور نہیں ہے، لیکن اس کی معاشی جدوجہد کو ناپسندیدہ نہیں کہا جاسکتا۔ رزق کو قرآن مجید میں اللہ کا فضل کہا گیا ہے اور اسے تلاش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سورہ جمعہ میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ
وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ. (الجمعة: ۱۰)

جب نماز ختم ہو جائے تو (تمہیں اجازت ہے کہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

عورت کو بھی اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حق ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حق صرف مرد کو حاصل ہے، عورت کو حاصل نہیں ہے۔ اس پر ایک اور پہلو سے بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

عورت کو مختلف ذرائع سے مال حاصل ہوتا ہے، ان میں مہر اور میراث شامل ہے، جس کی مقدار بعض اوقات بڑی ہو سکتی ہے۔ تحفہ، عطیہ اور ہبہ کی شکل میں اس کے

پاس مال آسکتا ہے، وہ چھوٹے بڑے وقف کی نگرانی ہو سکتی ہے۔ از روئے شرع اسے اس کا حق ہے کہ اپنے سرمایہ کو ترقی دے اور اس کے اضافہ کے لیے کوشش کرے۔ وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کا بھی حق رکھتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ابن المنذر اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

للمرأة الرشيدة التصرف في مالها
كلها بالتبرع والمعاضة.^۱
سمجھ دار عورت کے لیے اپنے پورے مال
میں تصرف کا حق ہے۔ اسے وہ نیک کاموں
میں صرف کر سکتی ہے اور معاوضہ پر بھی لگا
سکتی ہے۔

اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ کسی کم سن لڑکی کا مال اس کے ولی کے پاس ہو تو جب وہ بالغ ہو جائے اور اسے سوجھ بوجھ حاصل ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا، چاہے اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ یہی حضرت عطاء بن ابی رباح، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ابو ثور اور ابن المنذر کا مسلک ہے۔^۲

۲- سوال: کیا شریعت نے خواتین پر بھی نان نفقہ کی ذمہ داری رکھی ہے؟ (خواہ اپنا نفقہ ہو یا بچوں وغیرہ کا)

جواب: شریعت نے عام حالات میں عورت پر معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ خود اس کا نفقہ پیدائش کے بعد سے بلوغ تک، بلکہ جب تک شادی نہ ہو جائے باپ کے ذمہ ہے۔ شادی کے بعد شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب ہے، لیکن بعض حالات میں کسی نہ کسی درجہ میں اس پر بھی معاشی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کی بعض مثالیں ذیل میں دی جا رہی ہیں:

۱ ابن قدامہ، المغنی: ۶/۶۰۲، تحقیق الدكتور عبداللہ بن عبدالحسن التركي والدكتور عبدالفتاح محمد الحلو، ہجر القاہرہ، ۱۹۹۲ء۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے۔ ایک روایت امام محمد سے بھی اس کی تائید میں ہے کہ عورت اپنا مال شوہر کی اجازت کے بغیر ایک تہائی سے زیادہ صرف نہیں کر سکتی۔ ابن قدامہ نے دلائل سے اس کی کم زوری واضح کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ص ۶۰۲-۶۰۳

۲ ابن قدامہ، المغنی: ۶/۲۰۱-۲۰۲۔ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ شادی سے پہلے اس کا مال اس کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ ابن قدامہ نے اس کا جواب دیا ہے اور اس کی کم زوری واضح کی ہے۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر بچوں کا باپ نہیں ہے تو ماں پر ان کا نان نفقہ واجب ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبل کہتے ہیں:

ماں کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، اسی طرح ماں پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کرے اگر اس کا باپ نہ ہو۔ (امام احمد کے ساتھ) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔

ان الام تجب نفقتها ويجب عليها ان تنفق على ولدها إذا لم يكن له اب وبهذا قال أبو حنيفة والشافعي!

مزید فرماتے ہیں:

اگر باپ تنگ دست ہو اور اولاد کا نفقہ نہ برداشت کر سکے تو ماں پر اس کا نفقہ واجب ہو جائے گا۔ یہ اس کی طرف سے قرض نہ ہوگا، اس لیے باپ بعد میں خوش حال یا صاحب حیثیت ہو جائے تو اس کا مطالبہ وہ اس سے نہ کر سکے گی۔

فان اعسر الأب وجبت النفقة على الام، ولم ترجع بها عليه ان أيسر!

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے:

ماں تنگ دست اور دادی خوش حال ہے تو نفقہ دادی پر واجب ہوگا۔

ام معسرة وجدة موسرة النفقة على الجدة!

بالغ اولاد جو اپنا خرچ نہیں اٹھا سکتی، اس کے متعلق فقہ حنفی کی معتبر کتاب قدوری میں کہا گیا ہے:

لڑکی جو بالغہ ہے اور لڑکا جو بلوغ کے بعد معذور اور اپاہج ہے اس کا نفقہ باپ اور ماں دونوں پر واجب ہوگا۔ باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی۔

وتجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن على ابويه اثلاثاً، على الاب الثلثان وعلى الام الثلث!

۱ ابن قدامہ، المغنی: ۱۱/۳۰۳۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک عصباء پر نفقہ واجب ہوتا ہے۔ ماں عصبہ نہیں ہے، اس لیے اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے نہ اولاد پر اس کا نان نفقہ لازم ہوتا ہے۔ حکمی عن مالک انه لا نفقة علیہا

ولا لها لانها ليست عصبه لو لدها۔ المغنی: ۱۱/۳۷۳

۲ المغنی، ۱۱/۳۷۳

۳ المغنی: ۱۱/۳۷۶

۴ ہدایہ مع نصب الراية: ۳/۴۰۷۔ دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۶ء

اسی طرح کہا گیا ہے کہ بھائی اگر تنگ دست ہے تو بہنوں پر ان کی میراث کے لحاظ سے نفقہ واجب ہے۔ (ونفقة الأخ المعسر علی الاخوات المتفرقات احماساً علی قدر الميراث) وہ اس طرح کہ حقیقی بہن پر ۱۳/۵ اور اخیانی بہن اور علانی بہن میں سے ہر ایک پر ۱/۵ ہوگا۔^۱

اس وقت نفقات کے سلسلے میں فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل زیر بحث نہیں ہیں۔^۲ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں اگر کہا جائے کہ عورت پر بھی از روئے شرع افرادِ خاندان کا نفقہ واجب ہوتا ہے تو جمہور فقہاء کی اسے تائید حاصل ہوگی۔

اس قانونی بحث سے قطع نظر افرادِ خاندان میں الفت و محبت اور تعاون و ہمدردی کے جو فطری جذبات پائے جاتے ہیں، ان کے کچھ اور تقاضے ہیں۔ اسلام ان جذبات کو ابھارتا اور تقویت پہنچاتا ہے۔ شوہر کا نفقہ بیوی پر کسی حال میں واجب نہیں ہے، لیکن خوش حال بیوی تنگ دست شوہر کی مدد کر سکتی تو یہ اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہوگا۔ شریعت اسے بہت بڑے اجر و ثواب کا عمل قرار دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی، ان کی بیوی زینب ان پر اور اپنے یتیم بچوں پر (جو سابق شوہر سے تھے) خرچ کرتی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

أبجزی عنی ان انفق علی زوجی
وایتام فی حجری.
کیا میرا اپنے شوہر پر اور اپنے ان یتیم
بچوں پر جو مری حفاظت اور نگرانی میں
ہیں، خرچ کرنا میری طرف سے کافی
ہو جائے گا اور میں اپنے فرض سے سبک
دوش ہو جاؤں گی۔

یہی سوال ایک اور خاتون کو درپیش تھا۔ آپ نے دونوں سے فرمایا:

^۱ ہدایہ مع فتح القدر لابن الہمام: ۴/۳۸۱، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء

^۲ اس سلسلے کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۲، جزء ۳، ص ۱۱۱-۱۱۳، دارالکتب العلمیہ،

لہما اجران: اجر القربة واجر الصدقة^۱۔
ہاں ان کے لیے دواجر ہیں: ایک قرابت
کا اجر اور ایک صدقہ کا اجر۔

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ابو سلمہؓ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب ان کے بچوں پر اگر میں خرچ کروں تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا۔ میں انھیں چھوڑ بھی نہیں سکتی۔ بہر حال وہ میرے بچے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

نعم، لک اجر ما انفقت علیہم^۲۔
ہاں تم ان پر جو کچھ خرچ کرو گی اس کا
تمہیں اجر ملے گا۔

بعض اوقات عورت پر افراد خاندان کی مدد کی اخلاقی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ احادیث بتاتی ہیں کہ شوہر اور گھر کے دوسرے افراد ضرورت مند ہوں اور عورت ان کی ضرورت پوری کرے تو وہ دوسرے مدت خیر میں خرچ کرنے سے زیادہ اجر و ثواب کی مستحق ہوگی۔ اس جذبہ سے اگر عورت اپنی مالی حیثیت کو بہتر بنانے کی کوئی جائز تدبیر اختیار کرے تو اسے ناجائز نہیں، بلکہ جائز اور پسندیدہ ہی کہا جائے گا۔

۳- سوال: محض معیار زندگی کو بلند کرنے، یا وقت گزاری اور سرمایہ و اثاثہ پیدا کرنے کی غرض سے عورتوں کے لیے معاشی جدوجہد کا کیا حکم ہے؟ جب کہ گھر کی مالی حالت ایسی ہے کہ اس میں تنگی ترشی سے کام چل سکتا ہے اور چلتا ہے؟

جواب: اسلام نے دنیا میں ملوث ہونے اور اپنی تمام توانائیوں کو اس میں لگانے سے منع کیا ہے اور قناعت کی تعلیم دی ہے، لیکن اگر کوئی شخص جائز اور حلال ذرائع سے مال حاصل کرتا اور آسائش و راحت کی زندگی گزارتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطے کہ اس کی معاشی مصروفیات ایسی نہ ہوں کہ وہ خدا کو بھول جائے، اس کے بندوں کے حقوق کو فراموش کر بیٹھے اور دنیا پرستوں کی طرح غفلت کی زندگی گزارنے لگے۔ کاروبار دنیا اللہ کے نیک بندوں کو اس کی یاد سے، نماز اور زکوٰۃ سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ وہ اللہ

۱ بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحج، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقة والصدقۃ علی الاقربین الخ۔

۲ بخاری، کتاب النفقات، باب علی الوارث مثل ذلک

کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

وہ لوگ کہ انھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتے۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں (خوف سے) الٹ جائیں گے۔

رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ
الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ
الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور: ۳۷)

تجارت اور خرید و فروخت سے ضروریات زندگی بھی پوری ہو سکتی ہیں اور خوش حالی کا بھی امکان ہے۔ تجارت میں بالعموم یہ دونوں ہی باتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ مرد کی طرح عورت بھی اسلامی حدود میں عسرت کی جگہ راحت کی زندگی کے لیے تجارت یا کوئی جائز تدبیر اختیار کرے تو اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ اس معاملہ میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

۴۔ سوال: خواتین کے لیے کسب معاش کی کوئی صورت اختیار کرنے میں کیا اس وقت بھی، جب کہ وہ اندرون خانہ ہی اپنی معاشی سرگرمیوں کو محدود رکھیں، اپنے ولی یا شوہر سے اجازت لینا ضروری ہوگا؟
جواب: عورت کے لیے اندرون خانہ اپنی معاشی مصروفیت کے لیے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے نان نفقہ کا از روئے شرع، مرد ذمہ دار ہے۔ وہ کسب معاش کے لیے مجبور نہیں ہے۔ عورت کا نان نفقہ مرد پر اس لیے بھی واجب ہے کہ وہ اس کا وقت لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عورت نان نفقہ کے عوض شوہر کے لیے اپنا وقت فارغ کرتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

نفقة عورت کو روکے رکھنے کا معاوضہ ہے۔
جو شخص دوسرے کے فائدے کے لیے
مجبور ہے (اپنا وقت اسے دے رہا ہے)
اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگا۔

النفقة جزاء الاحتباس، فكل من
كان محبوسا بحق مقصود لغيره
كانت نفقته عليه.

اس کی دلیل یہ دی گئی ہے:

اصلہ القاضی والعامل فی الصدقات! اس کی اصل قاضی اور عامل صدقات ہے۔

قاضی اور عامل صدقات کے اوقات مسلمانوں کی فلاح کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں، اس لیے ان کا نفعہ بیت المال پر واجب ہوتا ہے۔ یہی معاملہ عورت کے نان نفقہ کا ہے۔ جب عورت کے اوقات شوہر کے لیے فارغ ہیں تو وہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسری مصروفیت نہیں اختیار کر سکتی۔

۵- سوال: اگر عورت کو کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو کیا اس کے لیے ولی یا شوہر کی اجازت ضروری ہے؟ گھر سے نکلنا مسافت سفر یا اس سے زیادہ کے لیے، یا اس سے کم کے لیے، دن کے وقت ہو یا رات کے وقت، ولی اس خاتون کی کفالت کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، ان صورتوں میں حکم شرعی کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

جواب: عورت کے گھر کے اندر کوئی ذریعہ معاش اختیار کرنے کے لیے جب شوہر کی اجازت ضروری ہے تو اس مقصد سے باہر نکلنے کے لیے بدرجہ اولیٰ اجازت ضروری ہوگی۔ شوہر اسے اجازت دے بھی سکتا ہے اور منع بھی کر سکتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

شوہر کو یہ حق ہے کہ عورت کو باہر نکلنے سے ان امور کے لیے بھی منع کر دے جو اس کے لیے ضروری ہیں۔

وللزوج منعها من الخروج الى ما لها منه بد.

مزید کہتے ہیں:

عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

ولا يجوز لها الخروج الا باذنه.

اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شوہر کو قانونی طور پر اس کا حق ضرور ہے کہ بیوی کو اپنے والدین کی عیادت کے لیے جانے سے بھی منع کرے، لیکن یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے منافی ہے۔ اس لیے اس کی اجازت اسے دینی چاہیے۔ اسی طرح وہ

۱۔ ہدایہ اولین، کتاب الطلاق، باب النفقہ، ص ۲۱۷، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱۳۵۰ھ

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/۲۲۲

بیوی کو مسجد جانے سے روک سکتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انھیں نہ روکا جائے۔^۱
عورت کے سفر کے سلسلے میں حدیث میں صراحت ہے کہ بغیر محرم کے اس کا سفر کرنا صحیح نہیں
ہے۔ یہ حکم کتنی مسافت کے لیے ہے اس سلسلے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
لا یحلّ لامرأة تو من بالله والیوم
الاخر، تسافر مسیرة یوم وليلة
الا مع ذی محرم علیہا۔
کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت پر
ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ کوئی ایسا سفر
بغیر محرم کے کرے جس کی مسافت ایک
دن اور رات کی ہو۔

اس روایت میں عورت کو (اگر محرم اس کے ساتھ نہ ہو تو) ایک دن کی مسافت والے سفر سے منع
کیا گیا ہے۔ بعض دوسری روایات میں دو دن اور تین دن کی مسافت کا ذکر ہے۔ اس کے برخلاف حضرت
عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں مسافت کا ذکر ہی نہیں ہے۔

عورت سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ۔
لا تسافر المرأة الا مع ذی محرم۔^۲

محدثین نے ان روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ اس اختلاف کا تعلق سوال کے اختلاف سے
ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے عورت کے تین دن کے سفر کے متعلق، کسی نے دو دن اور کسی نے ایک
دن کے سفر کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ہر موقع پر یہ جواب دیا کہ اس کا بغیر محرم کے سفر کرنا منع ہے۔
ابوداؤد کی روایت میں 'برید' کا لفظ آیا ہے، جو آدھے دن کے سفر کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ
بن عباسؓ کی روایت بتاتی ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے مطلق سفر صحیح نہیں ہے۔ اسی پر دوسری روایتوں کو
محمول کرنا چاہیے۔^۳

موجودہ دور میں سفر آسان ہو گیا ہے، فاصلے سمٹ گئے ہیں، آمد و رفت کے
تیز رفتار ذرائع موجود ہیں، آدمی گھنٹوں میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ایک ملک سے

۱ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/۲۲۳

۲ مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ

۳ ان روایات کے لیے ملاحظہ ہو: مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ

۴ نووی، شرح مسلم، ج ۵، جزء ۹، ص ۸۷-۸۸، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء

دوسرے ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ تمدنی حالات نے سفر کو ایک ضرورت بنا دیا ہے اور چھوٹے بڑے سفر بہ کثرت ہونے لگے ہیں۔ سفر میں اجنبی مرد اور عورت کے لیے خلوت کے امکانات اور مواقع ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے، عورت کے ساتھ دست درازی بھی ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عورت کا تنہا سفر خطرات سے بالکل محفوظ ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ عورت کا سفر شوہر یا محرم کے ساتھ ہو۔ اس پورے پس منظر میں اس مسئلہ پر مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

جہاں تک اوقات ملازمت کا تعلق ہے آج کل ملازمت کبھی دن کی ہوتی ہے اور کبھی رات کی۔ خطرات دونوں میں ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی اصول وضع نہیں کیا جاسکتا۔ دین دار مرد اور عورت فائدے اور نقصان اور خطر اور عدم خطر کا خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

عورت کی کفالت کی ذمہ داری اس کے ولی یا شوہر کی ہے۔ اگر وہ اس ذمہ داری کے ادا کرنے سے معذور ہیں، یا عملاً ادا نہیں کر رہے ہیں تو اس کے احکام دوسرے ہیں۔ اس سے ان کا یہ حق ساقط نہیں ہوتا کہ ان کی اجازت ہی سے اسے گھر سے باہر نکلنا چاہیے۔

۶- سوال: خواتین کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں شرعی حدود کیا ہیں؟

جواب: اس ذیل میں تین اہم اصول سامنے آتے ہیں:

۱- مرد ہو یا عورت وہ ایسی ملازمت نہیں اختیار کر سکتے جو شرعی نقطہ نظر سے ناجائز ہو، جیسے

بینک کی ملازمت، یا شراب اور جوئے کا کاروبار، یا اسی نوعیت کے دوسرے کام جن کی حرمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

۲- عورت کو اس کے ولی یا شوہر کی اجازت حاصل ہو۔

۳- عورت اور مرد کا اختلاط نہ ہو۔

۷- سوال: ملازمت کرنے والی خواتین اگر ایسے اداروں میں کام کریں (خواہ تعلیمی ادارے ہوں یا دوسرے) جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں اور کام کی جگہوں میں

مرد نہ ہوتے ہوں، البتہ ادارے کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں پردے کے کیا احکام ہوں گے؟

اگر عورت ایسی جگہ کام کرے جہاں مرد کارکن بھی ہوں تو اس وقت خاتون کارکنوں کے لیے پردہ کی کیا حدود ہوں گی؟ اس سلسلے میں کیا سن رسیدہ خواتین اور جوان عورتوں کے درمیان فرق ہوگا؟

جواب: خواتین ایسے اداروں میں ملازمت کر سکتی ہیں جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں، اور کام کی جگہوں میں مرد نہ ہوتے ہوں۔ مرد ذمہ دار ہوں تو شرعی حدود کے اندر ان سے بات ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں دو امور غور طلب ہیں، ایک کا تعلق عورت کے حدودِ حجاب سے ہے، دوسرا مسئلہ ہے عورت کا کسی غیر محرم سے بات کرنا۔

جہاں تک عورت کے حجاب کا تعلق ہے۔ اس کا حجاب از روئے شرع پورے بدن کا ہے۔ وہ اپنے بدن کا کوئی حصہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں کھول سکتی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المراة عورة، فاذا خرجت استشرفها
عورت خود کو پوشیدہ رکھے۔ جب وہ باہر
الشيطان! نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے۔

مطلب یہ کہ عورت کو پردے میں ہونا چاہیے۔ جب وہ اس سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اپنی کارروائی شروع کر دیتا ہے۔ اس میں خود عورت کے گم راہ ہونے یا کسی دوسرے کے گم راہ ہونے کا خطرہ ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھ کا بھی حجاب ہے یا وہ نامحرم کے سامنے انھیں کھول سکتی ہے؟۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے دونوں نقطہ نظر بیان کیے ہیں اور رثابت کیا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی حدودِ حجاب میں شامل ہیں ۲۔ (اس عاجز کی بھی یہی رائے ہے)

جب عورت کے پورے بدن کا حجاب ہے تو مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس

۱۔ ترمذی، کتاب الرضاع، باب: ۱۸:

۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۹/۳۹۸-۵۰۰

کے کسی حصہ بدن کو بلاوجہ دیکھے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

نظر الرجل الى الأجنبية من غير
اجنبی عورت کے پورے ہی جسم کو بغیر کسی
سبب فانه محرم الى جميعها! سبب کے دیکھنا مرد کے لیے حرام ہے۔
اس کے ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ وقت ضرورت
اجنبی شخص کے سامنے کھول سکتی ہے اور وہ اسے دیکھ سکتا ہے۔

فقہ حنفی میں اس کے جواز کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

وينظر من الأجنبية إلى وجهها
اجنبی عورت کے چہرے اور اس کی
وتفحصها فقط للضرورة! تفتیشیوں کو آدمی صرف ضرورت کے تحت
دیکھے گا۔

اس کے ساتھ تاتارخانیہ کے حوالے سے کہا گیا ہے:

النظر إلى وجه الأجنبية الحرة
آزاد اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنا
ليس بحرام، ولكنه يكره لغير
حرام تو نہیں ہے، لیکن بغیر کسی ضرورت
حاجة! کے دیکھنا مکروہ ہے۔

اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- کسی خاتون سے آدمی نکاح کرنا چاہے تو حدیث میں آتا ہے کہ ممکن ہو تو اسے دیکھ بھی

لینا چاہیے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا خطب أحدكم المرأة فان
جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے رشتہ
استطاع أن ينظر إلى ما يدعوها إلى
کرے تو ہو سکے تو اسے وہ اس قدر دیکھ لے
نكاحها فليفعل! جو اسے نکاح پر آمادہ کرے۔

اس سے مراد، جیسا کہ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے، چہرہ ہے۔ ۵

۱ ابن قدامہ، المغنی، ۲۹۸/۹

۲ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۱/۹، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۴ء

۳ حوالہ سابق، ص ۵۳۲

۴ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی المرأة و هو یرید تزویجها

۵ رد المحتار مع الدر المختار: ۵۳۲/۹

علماء کا اس کے جواز پر اتفاق ہے۔^۱

۲- بعض اوقات عورت کو ہاتھ کلائیوں سے اوپر تک بھی کھولنے پڑتے ہیں۔ چنانچہ خادما میں، جو اجرت پر روٹی اور کھانا پکاتی یا کپڑے دھوتی ہیں، ان کے ہاتھ عموماً کہنیوں تک کھلے رہتے ہیں، ان کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔^۲

۳- مرض عورت کے بدن کے کسی بھی حصہ میں ہو، طبیب اسے حسب ضرورت دیکھ سکتا ہے۔ اس میں ہاتھ اور چہرے کی قید نہیں ہے۔^۳

۴- ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت سے کاروبار یا اجرت کا معاملہ ہو تو اس کے چہرے کو آدمی دیکھے گا، تا کہ اسے پہچان سکے اور نقصان ہو تو تاوان کا مطالبہ کر سکے۔ ایک روایت یہ ہے کہ امام احمد نے اسے ناپسند کیا ہے، یا بڑی بوڑھی عورت سے متعلق قرار دیا ہے۔ لیکن ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اس سے ہے کہ آدمی عورت کو بے ضرورت دیکھے:

فاما مع الحاجة و عدم الشهوة فلا
بأس بـ
لیکن جہاں ضرورت ہو اور شہوت نہ پائی
جائے تو دیکھنے میں حرج نہیں ہے۔

۵- اسی طرح باندیوں کے احکام حجاب میں رعایت ہے۔ المعنی میں ہے:
الامة يساح النظر منها إلى ما يظهر
غالباً
لوٹڈی کے جسم کا جو حصہ عموماً کھلا رہتا ہے
اس کا دیکھنا جائز ہے۔

۶- غلام اپنی مالک کے چہرے اور ہاتھ کو بغیر شہوت کے دیکھ سکتا ہے، شہوت ہو تو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک غلام کا حکم محرم کا ہے۔^۴

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ عورت حسب ضرورت ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھ سکتی

۱ ابن قدامہ، المعنی: ۲۸۹/۹

۲ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۱/۹

۳ حوالہ سابق، ص ۵۳۳

۴ المعنی، ۲۹۸/۹

۵ حوالہ سابق

۶ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۲/۹

ہے اور مرد کے لیے اس کا دیکھنا جائز ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس سے شہوانی جذبات نہ مشتعل ہوں اور آدمی غلط روی نہ اختیار کرے۔

اب کسی نامحرم خاتون سے گفتگو کے مسئلہ کو لیجیے۔

فقہ حنفی کی رو سے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے:

إن صوت المرأة عورة علی
مطابق پردہ ہے۔
الراجح!

سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اسی طرح چھینک کے بعد کوئی الحمد للہ کہے تو

اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا سنت ہے۔ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے:

ولا یکلم الأجنبيّة إلا عجزاً
عطست أو سلّمت فی شمتها لا
یرد السلام علیها۔
اجنبی عورت سے آدمی بات نہیں کرے گا۔
ہاں اگر بوڑھی عورت چھینک کر الحمد للہ
کہے تو یرحمک اللہ کہے گا، لیکن اس کے
سلام کا زور سے جواب نہ دے گا۔

اس کے ساتھ ایک دوسری رائے بھی ملتی ہے، وہ یہ کہ:

يجوز الكلام مع امرأة
أجنبية.
اجنبی عورت کے ساتھ ایسی گفتگو کرنا جائز
ہے جو مباح ہے۔

مزید کہا گیا ہے:

لا بأس بأن يتكلم مع النساء بما
لا يحتاج اليه وليس هذا من
الخوض فی ما لا يعنيه، انما
ذلک فی کلام فیہ اثم۔
اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی
عورتوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرے جس
کی فی الواقع حاجت نہیں ہے۔ یہ لایعنی
گفتگو میں نہیں آتا، لایعنی گفتگو وہ ہے
جس سے گناہ لازم آئے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام اجنبی مرد اور عورت کے درمیان گفتگو پسند نہیں کرتا،

۱۔ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۱/۹

۲۔ حوالہ سابق

۳۔ اس رائے کو نقل کرنے کے بعد ابن عابدین کہتے ہیں فالظاہر انہ قول آخر او محمول علی العجز۔ رد المحتار:

لیکن ساتھ ہی ضرورت کے وقت اس کی اجازت بھی موجود ہے۔ عورت احکام شریعت معلوم کرنے کے لیے مفتی یا عالم کے پاس جاسکتی ہے، قاضی کی عدالت میں حاضر ہو سکتی ہے اور شہادت دے سکتی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے ازواج مطہرات کو جو ہدایت دی ہے وہ امت کی تمام خواتین کے لیے ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي
فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا.
بات میں نزاکت اور نرمی نہ اختیار کرو کہ
جس کے دل میں روگ ہے وہ کوئی برا
خیال کرنے لگے اور معروف بات کہو۔
(الاحزاب: ۳۲)

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی اجنبی یا نامحرم سے گفتگو کرتے وقت عورت کو ایسا لوچ دار اور نزاکت بھرا انداز نہیں اختیار کرنا چاہیے جس سے کسی غلط کار اور بد باطن انسان کے دل میں کوئی برا خیال آنے لگے اور وہ اس سے کوئی غلط توقع قائم کر بیٹھے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ بات چیت 'معروف' کی ہو، اس دائرے سے باہر نہ ہو 'معروف' میں گو وسعت ہے، لیکن اسے بہر حال 'مکنز' کے حدود میں نہیں پہنچنا چاہیے۔

نامحرم عورت سے تنہائی میں ملاقات سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس میں شیطان کو دور انداز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لا يخلون رجل بامرأة الا كان
ثالثهما الشيطان!
کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی
نہ اختیار کرے، اس لیے کہ (اس صورت
میں) شیطان ان دو کا تیسرا ہوتا ہے۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس سے بھی خلوت میں ملاقات صحیح نہیں ہے۔ اس لیے آفس ہو یا کوئی دوسری جگہ، نامحرم سے ملاقات یا گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ اس سے فساد کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ البتہ مجلس یا مجمع میں نامحرم مردوں سے گفتگو یا اظہار خیال کی گنجائش ہے۔ فقہاء کے ہاں اجنبی عورت کے ساتھ محرم یا کوئی دوسرا قابل

۱۔ ترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغنیات۔ مسند احمد، ۱/۱۸۱

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۹/۳۹۰

اعتماد مرد یا ثقہ عورت ہو تو اسے خلوت نہیں کہا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں نامحرم سے بات ہو سکتی ہے۔

جوان عورت اور سن رسیدہ عورت کے احکامِ حجاب میں قرآن نے فرق کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا
يُرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ
أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ
بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (النور: ۶۰)

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کے کسی نکاح
کی توقع نہ ہو ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا، اگر وہ
اپنے (زائد) کپڑے اتار کر رکھ دیں،
زینت کا اظہار نہ کریں۔ اگر وہ اس سے
بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ
تعالیٰ سب باتیں سنتا اور جانتا ہے۔

درمختار میں ہے: ایسی بوڑھی عورت سے، جس سے نکاح کی خواہش نہیں کی جاتی، مصافحہ ہو سکتا ہے۔ کسی غیر اخلاقی حرکت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے ہاتھ کو مس کیا جاسکتا ہے، اس کے ساتھ سفر ہو سکتا ہے۔

یہاں دو تین باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

۱- فقہاء کے ہاں نامحرم کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ضرور ملتی ہے، لیکن اس کا تعلق وقتی اور ہنگامی ضروریات سے ہے، اس لیے اسے قاعدہ کلیہ بنانے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

۲- گنجائش سے حسب ضرورت ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے دیکھ سکتا ہے، مصافحہ نہیں کر سکتا، اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ قضاء اور شہادت دینے کے لیے بھی قانونی ضرورت کے تحت اسے دیکھنے کی اجازت ہے، چھونے کی نہیں۔ اس لیے اصول یہ بیان ہوا ہے الضرورات تتقدر بقدرها۔

۱۔ ردالمحتار مع الدر المختار: ۹/۵۳۰

۲۔ الدر المختار مع ردالمحتار: ۹/۵۲۹

۳۔ حوالہ سابق، ص ۵۳۳

۳- چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی جو صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں یہ شرط موجود ہے کہ جنسی جذبہ یا محرک نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اس کا جواز ختم ہو جائے گا۔ غلام اپنی مالکہ کو بھی جنسی جذبہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ مالکہ جو ان سے دیکھنا نہیں چاہیے۔

باندی کے جسم کا جو حصہ بالعموم کھلا رہتا ہے اسے دیکھنے کا جواز ہے، لیکن باندی اگر خوب صورت ہے اور اسے دیکھنے سے جنسی جذبہ ابھر سکتا ہے تو اسے دیکھنا نہیں چاہیے۔
مطلقہ کے ساتھ کھانا کھانے کو امام احمد نے جائز نہیں قرار دیا ہے۔

اس پس منظر میں کسی خاتون کا سلیز گرل ہونا یا اسی نوع کا کوئی دوسرا کام کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں حدود و حجاب کی پابندی ممکن نہیں ہے۔ اس میں نامحرم مردوں سے مسلسل ربط و تعلق اور ایک طرح کا اختلاط ہوتا ہے۔ کاروباری معاملات میں گاہک کو متاثر کرنے کے لیے گفتگو میں دل ربائی کا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے جسے جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

بعض غور طلب پہلو

اس پورے مسئلہ پر موجودہ حالات کے پس منظر میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں عورت کو شوہر کے گھر کی منظمہ اور نگران کہا گیا ہے۔

عورت شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

المراة راعية على بيت بعلها و
ولده وهي مسئولة عنهم ۱

اس میں گھر کی دیکھ بھال، شوہر کے مال کی حفاظت، بچوں کی پرورش اور تربیت جیسے امور آتے ہیں۔ پہلے عورت اس کے لیے فارغ ہوتی تھی۔ بعض اوقات مرد کی معاش میں تعاون بھی کرتی تھی۔ لیکن اب حالات کافی بدل گئے ہیں۔

۱ الدر المختار مع رد المحتار، ص ۵۳۲

۲ حوالہ سابق

۳ ابن قدامہ، المغنی: ۹/۴۹۸-۴۹۹

۴ بخاری، کتاب العنق، باب کراہیۃ التناول علی الرقیق، مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلة الامام العادل

۱- امور خانہ داری، کھانے پینے کی تیاری، گھر کی صفائی اور بچوں کی پرورش میں پہلے عورت کا کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ غریب خاندان میں اس کا پورا وقت ہی لگ جاتا تھا، لیکن اب کم از کم شہری زندگی میں مشینی سہولتیں آگئی ہیں جن کی وجہ سے ان کاموں میں اس کا بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔

۲- بچوں کی دیکھ بھال کے لیے آیا، ملازم یا ملازمہ ہوتی ہے۔ تین چار سال کی عمر ہی سے وہ نرسری، اسکول اور پھر کالج چلے جاتے ہیں۔ بعض حالات میں اسکولی زندگی ہی سے ان کا قیام ہاسٹل میں ہوتا ہے۔

۳- زندگی گراں ہوگئی ہے، اخراجات بڑھ گئے ہیں، معیار زندگی بدل گیا ہے۔ اس وجہ سے مرد کی آمدنی بالعموم ناکافی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ میاں بیوی صبر و شکر اور قناعت سے کام لیں اور شوہر کی آمدنی پر اکتفا کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو عورت کوئی مناسب ذریعہ معاش اختیار کر سکے وہ اختیار کرے اور بہتر زندگی گزارے۔

۴- بلاشبہ یہ مرد کا حق اور اختیار ہے کہ عورت کو کوئی ذریعہ معاش اختیار کرنے کی اجازت دے یا نہ دے، لیکن ایک تعلیم یافتہ خاتون کو، جس کے پاس وقت بھی ہو اور جو اپنے اور خاندان کی فلاح کے لیے کچھ کر بھی سکتی ہو، اس سے منع کرنا ذہنی تناؤ اور کشمکش کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس مسئلہ پر قانونی نقطہ نظر سے ہٹ کر خاندانی فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے غور کرنا چاہیے!۔

۱۔ اس موضوع پر راقم نے اپنی کتاب اسلام کا عائلی نظام، مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی میں بھی بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو بحث دعوت اور معیشت۔

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الہی صاحب، A-27، لوہا ہار کیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: Sammaradnan<talluadnan@yahoo.com>